حرام کمائی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرام کی کمائی

(جس کے آجکل پھاٹک کھل گئے ہیں)

ایک مسلمان کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو۔ اس کے اخلاق بھی خراب ہوں۔ وہ احکام شریعت کی اطاعت بھی نہ کرتا ہو۔ وہ نماز روزے کا بھی پابند نہ ہو۔ وہ فاسق وفاجر ہو۔ حتیٰ کہ وہ زانی اور شرابی بھی کیوں نہ ہو۔ ایک بات ایسی ہے جس کا وہ نہایت سختی سے پابند ہوگا۔ وہ یہ کہ وہ سؤر (کے گوشت) کو حرام سمجھے گا۔ وہ اسے کبھی نہیں کھائے گا۔ اس پر ہزار سختی کی جائے یا کتنا ہی بڑا لالچ کیوں نہ دیا جائے وہ اس کے قریب تک نہ جائے گا۔ سؤر کے گوشت کا کھانا تو ایک طرف' وہ اس کا نام تک سننا گوارا نہیں کرے گا۔ اس کے تصور سے اسے جھرجھری آ جائے گی۔ اگر اسے کہا جائے کہ تم نے فلاں بدمعاملگی کی ہے تو وہ (اپنی صفائی میں) بلاساختہ کہے گا کہ میرے لئے تو ایک پیسہ بھی سؤر کے برابر ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس طرح سور کے متعلق ہمارا ردعمل یہ ہے' کیا ناجائز کمائی کے متعلق بھی ہمارا ردعمل اس قسم کا ہے؟ بالکل نہیں۔ قطعاً نہیں۔ حالانکہ جس خدا نے سور کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے اس نے ناجائز کمائی کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ تو کیا یہ امر موجب حیرت نہیں کہ ایک حرام کے متعلق تو اس قدر شدید ردعمل اور دوسرے حرام کے خلاف ردعمل تو کجا' اس کے حرام ہونے کا ہمیں احساس تک نہیں ہوتا؟ سؤر کا گوشت تو ایک طرف رہا۔ اگر کسی ہوٹل کے متعلق شبہ ہو جائے کہ اس میں کباب' سور کی چربی میں تلے جاتے ہیں تو اس ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ لیکن وہی لوگ ساری ناجائز کمائی سے اپنا پیٹ بھرتے رہتے ہیں اور انہیں کبھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم حرام کھا رہے ہیں۔ ناجائز کمائی میں بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں حکومت کا مروجہ قانون جرم قرار دیتا ہے۔ اس قسم کی کمائی کے متعلق یہ تو کہا جائے گا کہ ایسا کرنا جرم ہے۔ یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ ایسا کرنا ''حرام'' (یا گناہ) ہے۔۔۔ اور اگر معاشرہ میں جرائم عام ہو جائیں تو اس کمائی

کے جرم ہونے کا احساس بھی مٹ جائے گا۔ ناجائز کمائی کی بعض صورتیں ایسی ہوں گی جنہیں مروجہ قانون حکومت جرم قرار نہیں دیتا۔ اس سے اجتناب برتنے کا احساس تک نہیں ہوگا۔

لیکن جس خدا پر ایمان لانے سے ہم مسلمان کہلاتے ہیں۔ اس نے حرام اور حلال اور جائز وناجائز کا معیار کچھ اور بتایا ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ وہ معیار کیا ہے۔

باطل کی کمائی

قرآن مجید کی دو اصطلاحیں بڑی بنیادی ہیں۔ یعنی حق اور باطل۔ قرآن کریم آمدنی کے جن ذرائع کو جائز قرار دیتا ہے' وہ آمدنی حق کے مطابق اور حلال ہے۔ جن ذرائع کو وہ ناجائز ٹھہراتا ہے' وہ آمدنی باطل اور حرام ہے۔ حرام اور حلال کا یہ بنیادی معیار ہے۔

قرآن مجید کی سورہ بقرہ کی آیات 187-183 میں روزوں کے احکام ہیں۔ روزہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک مسلمان روزہ کی حالت میں خدا کے حکم کے مطابق ان چیزوں کو بھی اپنے اوپر حرام قرار دے لیتا ہے جنہیں خدا نے عام حالات میں حلال قرار دیا ہے۔ وہ خدا کے اس حکم کی اس شدت سے پابندی کرتا ہے کہ سخت سے سخت گرمی میں انتہائی پیاس کی حالت میں۔ کمرے کے اندر تنہا بیٹھے ہوئے جب کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا' پانی کا ایک قطرہ بھی حلق میں نہیں ٹپکاتا لیکن روزوں کے احکام کے بالکل ملحق آیت (2:188) میں اسی خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ:۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ (2:188)

ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے نہ کھاؤ۔

''بے روزہ'' تو ایک طرف' وہ روزہ دار جو مرتا مر جائے گا لیکن پانی کا ایک گھونٹ نہیں پیئے گا' باطل کی کمائی کے متعلق خدا کے اس حکم کی کچھ پروا نہیں کرے گا۔ وہ روزہ کی حالت میں بھی ایسی کمائی کرنے میں مصروف رہے گا! ہمارے ہاں روزوں کے احکام کو آیت (2:187) تک محدود رکھا جاتا ہے۔ ان آیات میں آیت (2:188) کو شامل نہیں کیا جاتا لیکن روزہ میں بھی تو مسلمان کو اس امر کی مشق کرائی جاتی ہے کہ جن چیزوں کو چھوڑنے کا خدا حکم دے' وہ انہیں بلاتامل چھوڑ دے' خواہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہماری یہ پابندی صرف کھانے پینے کی چیزوں تک محدود رہتی ہے۔ ناجائز کمائی کو اس میں شامل نہیں کیا جاتا۔ بالکل اسی طرح' جیسے سؤر کھانے کو تو

حرام سمجھا جاتا ہے لیکن ناجائز کمائی کو حرام نہیں سمجھا جاتا۔

قرآن کریم بنی اسرائیل (یہودیوں) کی تباہی کا ایک بنیادی سبب یہ بتاتا ہے کہ: اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ (4:161) ''وہ لوگوں کا مال ناجائز طریق سے کھاجاتے تھے''۔ اس کے آگے ہے۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (6:161) ''ان میں سے جو اس جرم کے مرتکب ہوتے تھے وہ کافر تھے اور ان کے لئے سخت عذاب کی وعید کی گئی تھی''......اس سے ظاہر ہے کہ ناجائز کمائی کرنا' کفر کے مرادف اور عذاب جہنم کا موجب ہے......سوچئے کہ اس ناجائز کمائی کے خلاف اس سے زیادہ واضح اور سخت تہدید اور کیا ہو سکتی ہے!

باطل (ناجائز) کمائی کے بہت سے گوشے ہیں مثلاً دغا' فریب' رشوت' چوری' خیانت' دھاندلی' گراں فروشی' چور بازاری' وغیرہ' لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے گوشے کا ذکر خاص طور پر کیا ہے جس کی طرف عام طور پر ہماری نگاہ نہیں جاتی۔ اس نے کہا ہے:

احبار و رہبان

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (9:34)

اے جماعت مومنین! (یاد رکھو) علماء اور مشائخ میں سے اکثریت کی یہ حالت ہے کہ وہ لوگوں کا مال ناجائز طریق سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی طرف جانے والی راہ سے روکتے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

یعنی (وہ) روپیہ لے کر احکام شرعیہ اور اخبار الٰہیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ ادھر عوام الناس نے انہیں' جیسے پہلے گذرا' خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے۔ جو کچھ غلط ملط کہہ دیں وہی ان کے نزدیک حجت ہے۔ اس طرح علماء و مشائخ نذرانے وصول کرنے' ٹکے بٹورنے' اور اپنی سیادت اور ریاست قائم رکھنے کے لئے عوام کو مکر و فریب کے جال میں پھنسا کر راہ حق سے روکتے رہتے ہیں۔ کیونکہ عوام اگر ان کے جال سے نکل جائیں اور دین حق اختیار کرلیں تو ساری آمدنی بند ہو جائے۔ (حاشیہ شیخ الہند' مولانا محمود الحسنؒ صفحہ 248)

خبیث اور طیب

جائز اور ناجائز کمائی کے سلسلہ میں' قرآن مجید میں اصطلاحات بھی آئی ہیں۔ مثلاً ...... طیب اور خبیث ...... حق و باطل کی طرح یہ اصطلاحات بھی بڑی جامع ہیں لیکن موضوع زیر نظر کی رو سے' ان کا مفہوم بھی جائز اور ناجائز لیا جانا زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرمؐ کی بعثت کا ایک مقصد جلیلہ یہ بتایا ہے کہ:۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (7:157)

وہ لوگوں کے لئے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام قرار دے گا۔

قرآن کریم کے اس واضح ارشاد کے مطابق' جائز کمائی طیب یعنی حلال ہے اور ناجائز خبیث یعنی حرام۔ یہی لفظ (حرام) لحم خنزیر (سؤر کے گوشت) کے متعلق آیا ہے۔ (5:3) لہٰذا ایک مسلمان کے لئے سؤر اور ناجائز کمائی میں ذرا بھی فرق نہیں۔ دونوں یکساں حرام ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ: **لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ** (5:100) "چونکہ ناجائز طریق سے انسان چند دنوں میں لاکھوں پتی ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر شخص لپک کر اس کی طرف جاتا ہے لیکن (مسلمانو! تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ) جائز' اور ناجائز کمائی کبھی ایک جیسی نہیں ہو سکتی' اسی طرح جیسے حلال اور حرام' ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔

قرآن مجید نے خبیث و طیب (جائز اور ناجائز) کی کئی مثالیں دی ہیں۔ ان میں سے ایک مثال یہ ہے کہ:۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (4:2)

اور یتیموں کو ان کا مال اسباب ٹھیک ٹھیک دیا کرو۔ ایسا نہ کرو کہ ان کی طیب چیزوں کو رکھ لو اور ان کے بدلے اپنی خبیث چیزیں انہیں دے دو۔ نہ ہی ان کے مال اور اپنے مال کو ملا کر گڈ مڈ کرو۔ یاد رکھو! ایسا کرنا سخت بے انصافی کی بات اور وبال عظیم کا باعث ہے۔

"یتیم" سے بالعموم وہ بچے مراد ہوتے ہیں جن کا باپ فوت ہو جائے۔ یہ بھی ٹھیک ہے' لیکن اس کے بنیادی معنی ہر وہ شخص ہے جو معاشرہ میں تنہا' بے یار و مددگار رہ جائے۔ مندرجہ بالا حکم میں اس

قسم کے تمام افراد شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔''ان احکام میں بیٹوں کے حکم کو شاید اس لئے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم بے سروسامانی اور مجبوری اور بیچارگی اور بے کسی کے باعث' رعایت اور حفاظت اور شفقت کا نہایت محتاج ہے''۔ (ایضاً صفحہ 99) اس سے واضح ہے کہ جو لوگ معاشرہ میں بے سروسامان' کمزور' مجبور' بے چارہ اور بے کس ہوں۔ ان کی بے کسی اور بے چارگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کچھ حاصل کرنا' خبیث (حرام) ہے۔ آگے چل کر کہا کہ اس طرح حاصل کردہ مال کے متعلق یوں سمجھو کہ وہ لوگ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں۔ (4:10) بادنےٰ تعمق یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ اکثر و بیشتر حالات میں ناجائز کمائی' دوسروں کی مجبوری' بے چارگی' بے کسی اور بے بسی سے فائدہ اٹھا کر حاصل کی جاتی ہے۔ ایسی کمائی قطعاً حرام ہے۔

رشوت

آج کل حرام کمائی میں رشوت کا نام سرفہرست آتا ہے۔ اس کا چلن ایسا عام ہو گیا ہے کہ آپ نے اچھے اچھے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہو گا کہ کیا کیا جائے آج کل رشوت کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ روزوں کے احکام کے تسلسل میں آیت (2:188) کا ایک حصہ پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ پوری آیت یوں ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (2:188)

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ۔ نہ ہی اسے بطور رشوت حکام تک اس مقصد کے لئے پہنچاؤ کہ کسی دوسرے کے مال سے تمہیں وہ مل جائے جس کے متعلق تم جانتے ہو کہ تم اس کے حق دار نہیں ہو۔

کس قدر صاف اور واضح ہے یہ حکم خداوندی۔ آج کون نہیں جانتا کہ رشوت حرام ہے لیکن اس کے باوجود جانتے بوجھتے اس کا چلن عام ہو رہا ہے۔ حیرت ہے کہ سور کو حرام سمجھ کر اس سے مجتنب رہنے والے رشوت کا مال کس طرح بلا غل و غش ہڑپ کرتے رہتے ہیں۔

کاروباری دنیا

رشوت کا تعلق تو پھر بھی ایک مخصوص حلقہ سے ہے یعنی ان لوگوں سے جنہیں دوسروں کو فائدہ

پہنچانے کا کچھ اختیار اور اقتدار حاصل ہوتا ہے لیکن جس راستے سے حرام کی کمائی سیلاب کی طرح امڈ کر آتی ہے وہ کاروبار کا میدان ہے۔ ''کاروبار'' میں تجارت، لین دین، خرید و فروخت بھی شامل ہے اور ملیں اور فیکٹریاں بھی، جن میں محنت کشوں اور کارخانہ داروں کا باہمی تعلق ہوتا ہے۔ اس میدان میں ناجائز کمائی کے بے تحاشا امکانات کے پیش نظر قرآن مجید نے مختلف انداز سے احکامات دیئے ہیں۔ سب سے پہلے عام تجارت کو لیجئے۔ فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (4:29)۔

اے جماعت مومنین! تم ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ۔ معاشرتی زندگی میں روزمرہ کی اشیاء ضروریہ کی خرید و فروخت ناگزیر ہوتی ہے۔ اس کے لئے جائز طریق یہ ہے کہ خریدار، دکاندار کی منہ مانگی قیمت دینے پر مجبور نہ ہو۔ بلکہ یہ گاہک اور دکاندار کی باہمی رضامندی سے ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہ دوسروں کو قتل کر دینے کے مرادف ہوگا۔ خدا تمہیں ازراہ ترحم قتل و غارت گری سے بچانا چاہتا ہے۔

اس آیۂ جلیلہ میں خرید و فروخت کا ایک ایسا عظیم اصول بیان کیا گیا ہے جس سے سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور وہ ہے ''باہمی رضامندی سے تجارت'' اس سلسلہ میں جو کچھ آجکل ہو رہا ہے اس پر ایک نگاہ ڈالئے۔ دکاندار (خواہ وہ تھوک فروش ہوں یا خوردہ فروش) ایک تنظیم قائم کر لیتے ہیں جس کی رو سے وہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ فلاں چیز اتنے داموں میں بیچی جائے گی۔ صاحب ضرورت، بازار (یا منڈی) میں پہنچتا ہے۔ دوکاندار اسے مطلوبہ چیز کی قیمت بتاتا ہے۔ خریدار دیکھتا ہے کہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ وہ کچھ کم کرنے کو کہتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ ''میں تو اتنے ہی میں دوں گا۔ آپ کو کہیں اور سے سستی ملتی ہے تو وہاں سے لے لیجئے''۔ خریدار مختلف دکانوں سے دریافت کرتا ہے تو اسے وہی قیمت بتائی جاتی ہے۔ فرمائیے کہ اس کے بعد وہ کیا کرے؟ اسے اس چیز کی ضرورت ہے اس لئے وہ اسے انہی داموں خریدنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دکانداروں سے پوچھئے تو وہ نہایت دھڑلے سے کہتے ہیں کہ صاحب! ہم کسی کی جیب نہیں کاٹتے۔ چوری نہیں کرتے، ڈاکہ نہیں ڈالتے۔ گاہک کو قیمت بتاتے ہیں اور اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ اسے خریدے یا نہ خریدے۔ یہ قرآن مجید کے ارشاد کے عین مطابق ہے جس کی رو سے اس نے تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

مِّنْكُمْ ۗ کو حلال قرار دیا ہے۔

اس جواب میں اس کے سوا کیا کہا جائے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ (2:26) ''اس قرآن سے اکثر لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور اسی سے اکثر صحیح راستہ اختیار کرتے ہیں۔'' جس قسم کی تجارت کا ذکر اوپر کیا گیا ہے (اور جسے آج کل قطعاً ناجائز یا معیوب نہیں سمجھا جاتا) اسے قرآن کے حکم کے مطابق قرار دینا' ضلالت (خود فریبی) نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر یہ دکاندار (مثلاً) سبزی فروش ہے تو اس سے پوچھئے کہ جب تم قصاب سے گوشت خریدتے ہو اور وہ ایسا نرخ بتاتا ہے کہ جسے تم نامناسب سمجھتے ہو' لیکن اس کے باوجود تم اس نرخ پر گوشت خریدنے پر مجبور ہوتے ہو' تو کیا تم اسے ''باہمی رضامندی سے تجارت'' قرار دیتے ہو! قصاب کی روش کو تو تم ظلم وزیادتی سمجھتے ہو اور اس کے خلاف واویلا مچاتے ہو لیکن اپنی قسم کی روش کو بالکل جائز قرار دیتے ہو!

قرآن کریم نے اس قسم کی تجارت کو کاروبار نہیں بلکہ قتل وغارت گری قرار دیا ہے (وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ) اور جیسا کہ معلوم ہے قتل' عدالت خداوندی میں سنگین ترین جرم ہے۔ اسی لئے اگلی آیت میں ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا (4:30)

خدا نے بات واضح طور پر سمجھا دی ہے۔ اگر تم اس کے بعد بھی ایسا ہی کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دیدہ ودانستہ احکام خداوندی سے سرکشی برتتے اور ظلم اور زیادتی کرتے ہو۔ اس کی سزا جہنم ہے۔ عدالت خداوندی سے اس قسم کی سزا کا ملنا کچھ بھی مشکل نہیں۔

چونکہ اس قسم کی تجارت میں' اشیائے ضروریہ کے تیار کرنے یا پیدا کرنے والے' تھوک فروش اور خوردہ فروش سب شامل ہوتے ہیں' اس لئے تجارت عادلہ ایک خاص نظام کے تحت ہی عمل میں آ سکتی ہے یعنی ایسا انتظام جس کی رو سے' ہر شے کا ہر اسٹیج پر منافع مقرر ہو اور اس کے بعد اس کا انتظام ہو کہ ہر ضرورت مند کو مقررہ قیمت پر مطلوبہ چیز مل جائے۔ اسے کہا جائے گا۔ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ ۔ یہی منافع حلال ہوگا۔

ربوٰا

قرآن کریم نے بیع کو حلال اور ربوٰا کو حرام قرار دیا ہے۔ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ

(2:275) ربو کی بحث تفصیل طلب ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ (میں اس کے متعلق تفصیل سے بہت کچھ لکھ چکا ہوں) اس وقت میں ربو (سود) کی اس ابتدائی شکل کو لیتا ہوں جس میں ایک ضرورت مند' قرض دینے والے کو سود (بیاج) دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر' قرض خواہ جو کچھ وصول کرتا ہے' قرآن مجید اسے حرام قرار دیتا ہے۔ اسی لئے وہ کہتا ہے کہ اگر تم اس روش سے باز آ جاؤ تو صرف اپنا اصل زر وصول کر سکتے ہو۔ اس سے لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (2:279) نہ تم پر ظلم و زیادتی ہوگی کہ تمہارا اصل تمہیں مل جائے گا اور نہ ہی مقروض پر کوئی زیادتی کہ اسے اپنی مجبوری کے ماتحت زیادہ نہیں دینا پڑے گا۔

قرآن کریم کے اس اصول کے مطابق دیکھئے کہ اس نے جو بیع کو حلال کیا ہے اور ربوٰ کو حرام' تو اس میں بنیادی نکتہ ہی یہ ہے کہ جو کچھ کسی سے اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر وصول کیا جائے وہ حرام ہے۔ اگر بیع میں بھی ایسا ہوتا ہے تو وہ بیع' بیع نہیں رہتی' ربوٰ ہو جاتی ہے اس اعتبار سے تو مروجہ معاشیات میں پوری کی پوری تجارت' ربوٰ میں شامل ہو جاتی ہے اور ایک تجارت پر ہی کیا موقوف ہے۔ آج زندگی کا کون سا معاملہ ہے جس میں دوسرے کی مجبوری کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا جاتا؟

میزان

قرآن کریم نے میزان کو بڑی اہمیت دی ہے۔ بنیادی طور پر اس نے کہا ہے کہ کارگہ کائنات' میزان کے سہارے چل رہا ہے۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ (55:7) خدا نے ایسے قوانین وضع کر دیئے ہیں جن کی رو سے آسمانی کروں میں باہمی توازن قائم رہتا ہے۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ○ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (55:8-9) اس لئے تم بھی اپنے معاشرہ میں عدل و انصاف کے ساتھ توازن قائم رکھو اور کسی کے حقوق و فرائض میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو۔

انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف قائم رکھنے کے لئے جو نظام قائم کیا جائے گا اس میں احکام خداوندی کے ساتھ میزان کو بھی منزل من اللہ بتایا گیا ہے (42:17 ; 57:25) اور قیامت میں اعمالِ انسان کے ''تولنے'' کے لئے بھی میزان کھڑی کی جائے گی۔ (21:47) اس میزان کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ:

فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَيۡـًٔا (21:47) ''تاکہ کسی شخص پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔'' یہ ہے میزان کا بنیادی مقصد۔

میزان کے اس بنیادی مقصد کو سامنے رکھ کر' آپ کاروباری دنیا کی طرف آیئے۔ اس میں عام حکم تو یہ دیا گیا ہے کہ: وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ (6:152) خرید و فروخت کی دنیا میں تو اس حکم سے عام مراد یہی ہوگی کہ ماپ اور تول کے پیمانے صحیح رکھو لیکن بنظر تعمق دیکھنے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ جو کچھ کسی سے لو' یہ دیکھو کہ اسے اس کی قیمت کے مطابق چیز ملتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ماپ اور تول صحیح رکھنا تو ہر دکاندار کا انفرادی عمل ہوگا لیکن یہ فیصلہ کرنا کہ گاہک کو اس کی ادا کردہ رقم کے مطابق چیز مل رہی ہے یا نہیں' کسی نظام کے تابع ہوگا یعنی اشیاءِ صرف کی قیمتیں مقرر کرنا اس نظام کا فریضہ ہوگا۔ اسی میں یہ بات بھی شامل ہوگی کہ خریدار کو آمیزش کے بغیر مطلوبہ چیز ملے۔ یہ نہ ہو کہ قیمت تو دودھ کی ادا کرے اور ملے اسے دودھیا پانی (Milky Water) یا کپڑے کے ہر گز پر لکھا ہوا تو ہو (Pure Wool) اور ہو اس میں (Nylon) کا مکسچر اس قسم کی تجارت بھی حرام ہوگی۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ جس قوم کے کاروبار میں اس قسم کی خرابیاں پیدا ہو جائیں' وہ بہت جلد تباہ ہو جاتی ہے۔ اسی کی شہادت میں اس نے قوم شعیبؑ کی عبرت آموز داستان بیان کی ہے۔ حضرت شعیبؑ ان سے بار بار کہتے تھے کہ:
فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا (7:85)۔ ''تم ماپ اور تول کے پیمانے صحیح رکھو' اور جو کچھ کسی سے لو اس کے مطابق اسے چیز دو۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرو۔ ایسا کرنا ملک میں فساد برپا کرنے کے مرادف ہوگا۔ جس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ نیز (26:181; 11:84-85) اس سے واضح ہے کہ خرید و فروخت کے غلط نظام کا نتیجہ پوری کی پوری قوم کی تباہی ہوتا ہے۔

محنت کا معاوضہ

قرآن کریم کی رو سے سب سے اہم سوال محنت کش کی محنت کے معاوضہ کا ہے۔ اگر اس کو محنت کا پورا پورا معاوضہ نہ دیا جائے تو جو کچھ اس میں سے غصب کر لیا جائے' وہ حلال نہیں ہوگا' حرام ہو جائے گا۔ اس نے صاحبِ ضربِ کلیم حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی آویزش کے سلسلہ میں کہا

ہے کہ فرعون دوسروں کی محنت غصب کر لیتا تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا کہ اس کے مستبد اور ظالم نظام کو الٹ کر اس کی جگہ نظام خداوندی قائم کریں۔ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى (20:15) ''تا کہ ہر ایک کو اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ مل سکے۔ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (20:112) اور کسی کو اس کا خطرہ نہ رہے کہ اس کے ساتھ ظلم وزیادتی ہوگی اور اس کی محنت کے معاوضہ کو ہضم کر لیا جائے گا۔

سرمایہ داری میں یہ ناممکن ہے کہ محنت کش (مستاجر) کو اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ دیا جا سکے۔ اس میں محنت کشوں کو اجرت (Wages) پر ملازم رکھا جاتا ہے' مستاجر (مزدور) اپنی اجرت مقرر نہیں کرتا۔ اسے آجر (ملازم رکھنے والا) مقرر کرتا ہے۔ اس معاملہ کو یہ کہہ کر برحق قرار دے دیا جاتا ہے کہ مزدور اپنی رضامندی سے اجرت منظور کرتا ہے' اس لئے اس پر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں ہوتی لیکن یہ وہی دلیل ہے جسے ہم تجارت کے باب میں دیکھ چکے ہیں کہ ''خریدار اپنی رضامندی سے قیمت ادا کرتا ہے''۔ واقعہ یہ ہے کہ خریدار ہو یا مزدور' دونوں اپنی مجبوری کی وجہ سے دوسرے کی بات مان لیتے ہیں۔ جس مزدور کے گھر میں کھانے کو ہو وہ کبھی آجر کی نامناسب شرائط پر کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ اس کی معاشی مجبوریاں ہوتی ہیں جو وہ ہر شرط پر کام کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ پنجابی زبان کا ایک محاورہ ہے کہ ''بھاء کن وگاڑیا۔۔۔ رات دیاں بھکیاں'''' رات کو بھوکے سونے والے نرخ بگاڑ دیتے ہیں۔'' قرآن کے معاشی نظام میں اجرتوں کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ مملکت تمام افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی پورا کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتی ہے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب (اور جہاں قرآنی نظام رائج ہو)۔ سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں کیا کیا جائے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ مملکت ایسا طریق وضع کرے جس سے محنت کش کی محنت غصب نہ کی جا سکے۔ ہم تو آجر سے اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ مستاجر (مزدور) کی محنت سے جو کچھ غصب کیا جائے وہ رزق حلال نہیں رہتا۔

کام چور

قرآن کریم جہاں آجر کو اس کی تاکید کرتا ہے کہ وہ مستاجر کی محنت کو غصب نہ کرے' وہاں وہ مستاجر (مزدور) سے بھی کہتا ہے کہ وہ اپنی محنت کا معاوضہ لینے کا حقدار ہے۔ اگر محنت کئے بغیر معاوضہ کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ کمائی بھی حلال نہیں ہوگی۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (53:39)

اس کا بنیادی اصول ہے۔ یعنی انسان صرف اپنی محنت کے معاوضہ کا حقدار ہے۔ ''کام چور'' کی کمائی' حلال کی کمائی نہیں کہلا سکتی۔

جو کچھ اوپر آجر اور مستاجر کے متعلق کہا گیا ہے اس کا اطلاق ملازمت پیشہ حضرات پر بھی یکساں ہوتا ہے۔ وہ بھی اجرت ہی پر کام کرتے ہیں جسے تنخواہ کہا جاتا ہے۔

تطفیف

بات چلی تھی ماپ تول کے پیمانوں سے۔ اس ضمن میں آجر اور مستاجر کے معاملہ کا ذکر آ گیا۔ قرآن کریم میں ایک سورۃ ہے جس کا عنوان ہے۔ التطفیف۔ تطفیف کے لغوی معنی ہیں پیالہ کو پورا پورا نہ بھرنا۔ اس میں کچھ کمی کر دینا۔ نیز اس کے معنی ہوتے ہیں۔ ''اونٹنی کے پاؤں اس طرح باندھ دینا کہ وہ پوری رفتار سے نہ چل سکے۔'' ایسا کرنے والے کون لوگ ہوتے ہیں اور ان کا انجام کیا ہوتا ہے اسے قرآن کریم نے خود ہی واضح کر دیا۔ فرمایا وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۔ تطفیف کی ذہنیت اور روش اختیار کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ''یہ وہ ہیں کہ جب دوسروں سے اپنے واجبات وغیرہ لیتے ہیں تو پورے پورے لیتے ہیں۔ ذرا نہیں چھوڑتے۔'' وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ (83:1-3) ''لیکن جب دوسروں کے واجبات اور حقوق دیتے ہیں تو ڈنڈی مار جاتے ہیں۔'' اس آیت میں كَالُوهُمْ اور وَّزَنُوهُمْ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دوسروں کو دیتے وقت ماپ اور تول میں کمی کر دیتے ہیں' اور یہ معنی بھی کہ چیزوں ہی کو نہیں جب یہ خود انسانوں کو ماپتے اور تولتے ہیں تو ان کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق صلہ نہیں دیتے۔ کوشش کرتے ہیں کہ انہیں کم از کم دیا جائے اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ وہ اپنی صلاحیتوں کی نمود کر ہی نہ سکیں۔ وہ ان کے ''پاؤں باندھ کر'' رکھتے ہیں یہ بھی دوسروں کی محنت اور صلاحیتوں کے استحصال (Exploitation) کا ایک طریق ہے جو آج کل کے صنعتی دور کی عام روش ہے۔ اس طریق سے حاصل کردہ دولت بھی رزق حرام کے زمرہ میں شامل ہوگی۔

خیانت

یہاں تک گفتگو ان معاملات کے بارے میں تھی جن میں دو فریق شامل ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم نے ان معاملات کا بھی ذکر کیا ہے جن میں ایک ہی شخص ملوث ہوتا ہے۔ اس کا حکم

ہے کہ: (لَا) ...... تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ (8:27) ''جو امانتیں تمہارے سپرد کی جائیں ان میں خیانت مت کرو۔'' امانت صرف وہی نہیں جسے ایک شخص کسی دوسرے شخص کے پاس بغرض حفاظت رکھ دے۔اس میں وہ تمام روپیہ یا مال اسباب وغیرہ شامل ہے جو حکومت' یا کوئی ادارہ یا فرم اپنے کسی ذمہ دار افسر کو کسی پراجیکٹ کی تکمیل کے لئے دیتی ہے۔یا جو روپیہ پیسہ ویسے ہی اس کی تحویل میں رہتا ہے۔جیسے خزانچی یا بینک کے افسر۔اس روپیہ میں کسی قسم کی بددیانتی' خیانت ہے اور بدترین جرم۔اس قسم کی کمائی یکسر حرام ہے۔

حلال وطیب

رزق حلال وحرام کے سلسلہ میں قرآن کریم بہت دور تک جاتا ہے۔اس نے متعدد مقامات پر کہا ہے کہ: وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (5:88) ''جو حلال رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسے طیب طریق سے کھاؤ اور اس طرح اس خدا کے حکم کی نگہداشت کرو جس پر تم ایمان لانے کے مدعی ہو۔'' ۔۔۔''رزق حلال کو طیب طور پر کھاؤ'' ۔۔۔۔ یہ نکتہ غور طلب ہے۔اسے ایک مثال کی رو سے سمجھئے۔بکرا حلال جانور ہے' لیکن اگر اسے خدا کا نام لے کر ذبح نہ کیا جائے تو اس کا گوشت حلال نہیں رہتا حرام ہو جاتا ہے یہاں تک تو سب متفق ہیں اور ہم اس کی بڑی احتیاط برتتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی کا بکرا چرا کر اسے صحیح طریق سے ذبح کر لیا جائے تو کیا وہ حلال رہے گا؟ قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ وہ حلال نہیں رہے گا کیونکہ ناجائز طریق سے حاصل کئے جانے کی وجہ سے وہ طیب نہیں رہا لہٰذا جو چیزیں اپنی اصل کے اعتبار سے حلال ہیں اگر انہیں ناجائز طریق سے حاصل کیا جائے تو وہ طیب نہیں رہتیں' اس لئے حرام ہو جاتی ہیں۔حلال کے لئے طیب ہونا شرط ہے۔سورۃ مائدہ میں ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ (5:4)۔اے رسولؐ! یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے کیا کچھ حلال قرار دیا ہے' ان سے کہو کہ اس نے طیبات کو حلال قرار دیا ہے یعنی ان حلال چیزوں کو جو جائز طریق سے حاصل کی گئی ہوں۔

عزت کی روٹی

''حلال اور طیب'' کی جامعیت کے طور پر قرآن مجید میں ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي

الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (2:168) ''اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال ہے اسے طیب طریق سے کھاؤ۔ اسے غیر طیب طریق سے کھانے سے تم شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرو گے۔ یادرکھو! شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ ناجائز طریق سے حاصل کردہ دولت سے جو کچھ بھی تم خریدو گے' وہ اگر اپنی اصل کے اعتبار سے حلال بھی ہو تو بھی حرام ہو جائے گا۔ حلال وہی چیزیں ہوں گی جنہیں حلال کی کمائی سے حاصل کیا جائے۔ اسی کو قرآن مجید نے رزق کریم (22:50; 8:4) کہا ہے یعنی ''عزت کی روٹی'' اس کی وضاحت کرتے ہوئے دوسری جگہ کہا کہ خبیث (ناجائز کمائی سے حاصل کردہ) چیزیں کھانے والے خود خبیث ہوتے ہیں اور طیب چیزیں کھانے والے طیب۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ (24:26)۔ یہی (طیب لوگ) ہیں جو تباہی سے محفوظ رہتے ہیں' اور جنہیں عزت کی روٹی ملتی ہے۔

تکاثر

ان تصریحات کے بعد قرآن کریم کہتا ہے کہ لوگ ناجائز طریقے اسی لئے اختیار کرتے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ دولت سمیٹنے کی دوڑ (Race) میں ایک دوسرے سے آگے نکل جائیں اسے عربی زبان میں ''تکاثر'' کہتے ہیں جو قرآن کریم کی ایک سورۃ کا عنوان ہے۔ اسی میں کہا گیا ہے کہ:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (102:1-2) دولت سمیٹنے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی ہوس انسان کو زندگی کے صحیح مقاصد کی طرف سے غافل کر دیتی ہے اور یہ دوڑ کہیں ختم نہیں ہوتی۔ یہ قبر تک چلی جاتی ہے۔ ضروریات کی ایک حد ہوتی ہے لیکن جب جذبہ محض دولت سمیٹنا ہو اور اس میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی ہوس' تو اس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ وہ انسان کو پاگل کر دیتی ہے۔ یہ وہ پاگل پن ہے جس میں جائز اور ناجائز کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ ایسے لوگوں کا مقصد حیات جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (104:2) رہ جاتا ہے یعنی ''دولت جمع کرتے چلے جانا اور پھر اسے گنتے رہنا۔'' بس یہ ہوتی ہے ان کی زندگی! یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ (104:3) ایسا انسان اس خیال خام میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کا مال اسے حیات جاوید عطا کر دے گا۔ كَلَّا ۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ مال و دولت اسے جہنم رسید کر کے ریزہ ریزہ کر دے گا۔

(104:4-9) ناجائز کمائی سے جمع کردہ مال و دولت انسان کو تباہی سے نہیں بچا سکتا۔ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى (92:11) جب تباہی اس کے سامنے آئے گی تو وہ کہے گا کہ میں اپنی دولت کو بڑی قوت کا باعث سمجھتا تھا لیکن هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ (69:29) قوت کا یہی زعم باطل مجھے لے ڈوبا اور کوئی یار و مددگار میرے کام نہ آیا (69:35)۔

انسان اکثر و بیشتر اولاد کی خاطر کمائی کے ناجائز طریقے اختیار کرتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم نے کہا ہے کہ وعلموا انما اموالکم و اولادکم فتنة (8:28)۔ یاد رکھو! اس طرح حاصل کردہ مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ بن جاتے ہیں۔ اس سے بچو۔



حلال اور حرام کمائی کے ضمن میں جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ رزق حلال وہ ہے جو ان طریقوں سے حاصل کیا جائے جنہیں قرآن کریم جائز قرار دیتا ہے۔ اسے وہ حق کہہ کر پکارتا ہے اور رزق حرام وہ ہے جو ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے۔ اسے وہ باطل کہتا ہے۔ حق و باطل (حرام اور حلال) کے متعلق اس کا فیصلہ یہ ہے کہ:۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (42:24)

خدا کا قانون مکافات یہ ہے کہ حق باقی رہتا ہے اور باطل مٹ جاتا ہے۔ باطل کے جواز میں تم کتنے ہی عذر پیش کرو وہ قابل قبول نہیں ہو سکتے کیونکہ خدا تمہارے دل میں چھپے ہوئے خیالات تک سے واقف ہوتا ہے۔

لہٰذا خدا پر ایمان رکھنے والے ناجائز کمائی کا خیال تک بھی دل میں نہیں لا سکتے۔ ہمارے ہاں اس قسم کی بحثیں تو عام ہوتی ہیں کہ کوا حلال ہے یا حرام۔ اے کاش! اس قسم کی بحثوں میں الجھنے والے مسلمانوں کو یہ بھی بتاتے کہ ناجائز کمائی سے حلال بھی حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کا حرام جس طرح سؤر کا گوشت حرام ہے۔ جس دن یہ حقیقت ہمارا جزو ایمان بن گئی معاشرہ میں (Corruption) اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے سوا اصلاح معاشرہ کی کوئی صورت نہیں۔

ایک کہانی

رزق حلال سے معاشرہ کی خرابیوں ہی کا استیصال نہیں ہوتا۔ اس سے افراد کے کیریکٹر میں

اس قدر پختگی اور بلندی پیدا ہو جاتی ہے جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔اس ضمن میں ہمیں بچپن میں ایک کہانی پڑھائی جایا کرتی تھی جو بڑی پر معنی تھی۔محمود غزنوی جب ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے آیا تو اس کی فوج میں ایک بیوہ کا نوجوان بیٹا بھی سپاہی تھا۔جب اس کی فوج فاتح و منصور واپس گئی تو وہ بڑھیا اپنے بیٹے کی تلاش میں لشکر میں آئی۔اس کے بیٹے کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ تمہارا بیٹا تو میدان جنگ میں مارا گیا تھا۔اس نے پوچھا کہ اس کی موت کس طرح واقعہ ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا کہ وہ میدان جنگ سے بھاگ اٹھا۔دشمن کا تیر اس کی پشت میں لگا اور وہ مر گیا۔اس بڑھیا نے کہا کہ یہ تو درست ہو سکتا ہے کہ وہ میدان میں شہید ہو گیا ہو لیکن اسے میں کسی صورت میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی کہ وہ میدان جنگ سے بھاگ اٹھا تھا اور اس کی پشت میں تیر لگا تھا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔اس نے دشمن کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے سینے پر تیر کھایا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ مائی! تم تو میدان جنگ میں تھی نہیں۔تم یہ بات اس حتم و یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو؟ اس نے کہا کہ اس لئے کہ میں نے اس کے حلق میں حرام کے دودھ کا ایک قطرہ بھی ٹپکنے نہیں دیا تھا۔جس بچے کی پرورش رزق حلال پر ہوئی ہو ناممکن ہے کہ وہ میدان جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے۔

بات بڑھتے بڑھتے سلطان تک پہنچی۔اس نے تحقیق کرائی تو بڑھیا کی بات سچ نکلی۔اس سپاہی نے اپنے سینے پر تیر کھا کر جان دی تھی۔اس کے ساتھیوں نے یہ غلط بیانی ہنسی مذاق کے طور کی تھی۔

یہ کہانی تاریخی اعتبار سے کیسی ہی ہو حقیقت کے اعتبار سے بالکل سچی ہے۔رزق حلال سے انسان کے اندر، حق گوئی و بے باکی اور جرات و بسالت کی وہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں جن کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے اور جو قوم اس قسم کے افراد پر مشتمل ہوگی اسے دنیا میں کون شکست دے سکتا ہے؟ اسی حقیقت کے پیش نظر تو علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ:۔

اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی !

حرام کی کمائی سے افراد اور قوم میں بلندیوں کی طرف جانے کی صلاحیتیں ہی سلب ہو جاتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جس فرد یا قوم کو حرام کی کمائی کا چسکا پڑ جائے وہ محنت کرنے سے جی چراتی

ہے اور جب یہ عادت (یعنی محنت کے بغیر مال و دولت حاصل کرنے کی روش) پختہ ہو جائے تو محنت کرنے کی صلاحیت ہی سلب ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم نے باطل (ناجائز) کمائی کو اثم کہہ کر پکارا ہے۔ (2:188) اثم کے معنی ہیں ایسی روش جس سے قوائے عملیہ میں اضمحلال واقع ہو جائے اور انسان اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر پیچھے رہ جائے۔ اسی طرح قرآن کریم نے میسرہ کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ (2:219) ہمارے ہاں میسرہ کا عام ترجمہ جُوا کیا جاتا ہے یہ ٹھیک ہے جوا بھی میسرہ میں شامل ہے لیکن اس لفظ کا اطلاق صرف جُوا پر نہیں ہوتا۔ اس لفظ کا مادہ یسر ہے اور یسار کے معنی بایاں ہاتھ ہیں جس طرح ہم اپنے ہاں ہر آسان کام کے متعلق کہتے ہیں کہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اسی طرح ہر وہ کامیابی جو محنت اور مشقت کے بغیر (ناجائز طریق سے) بآسانی حاصل ہو جائے میسرہ میں شامل ہوگی۔ اس کمائی کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ: **فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ** (2:219) اس سے دولت تو ضرور اکٹھی ہو جاتی ہے لیکن انسان کے قوائے عملیہ میں اضمحلال ہو جاتا ہے اور **إِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا** (2:219) اور قوائے عملیہ میں اضمحلال واقع ہو جانے سے جو نقصان ہوتا ہے وہ اس فائدہ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو اس طرح دولت حاصل ہونے سے ہوتا ہے۔

یہ ہے وجہ جو ناجائز کمائی سے قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ اس سے ''پرواز میں کوتاہی'' واقع ہو جاتی ہے اور جس رزق سے پرواز میں کوتاہی آ جاتی ہو اس سے (علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں) موت ہزار درجہ بہتر ہوتی ہے۔ چوری' فریب دہی' گراں فروشی' ذخیرہ اندوزی' جیب تراشی' رشوت ستانی' خیانت' بددیانتی یا شاباش کروڑ پتی بن جانے کی ہوس۔ یہ سب اثم اور میسرہ (محنت سے جی چرانے) کے شجرِ خبیثہ کے برگ و بار ہیں اور ان کا علاج ہے رزق حلال۔

گر جہاں داند حرامش را حرام
تا قیامت پختہ ماند ایں نظام !
(اقبالؒ)

جو قوم' قرآن کریم کے حرام قرار دادہ رزق کو حرام سمجھ لے اس کا نظام حیات قیامت تک محکم اور استوار رہے گا۔

